4

انبیاء کی جماعتیں مادی ذرائع سے نہیں بلکہ تائیدِ الٰہی اور توکّل باللہ سے کامیاب ہوا کرتی ہیں

(فرمودہ 23 جنوری 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں نے پہلے بھی کئی بار جماعت کو اِس طرف توجہ دلائی ہے کہ آسمانی جماعتوں اور زمینی جماعتوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ آسمانی جماعتوں کا طریقِ کار اَور ہوتا ہے اور زمینی جماعتوں کا طریقِ کار اَور ہوتا ہے۔ زمینی اور دنیوی جماعتیں آسمانی جماعتوں کے طریقِ کار کو استعمال کر ہی نہیں سکتیں۔ اِس لیے آسمانی جماعتوں کا انحصار اللہ تعالیٰ کی تائید اور توکّل پر ہوتا ہے۔ اور دنیوی جماعتیں اگر توکل پر انحصار رکھنے لگیں تو اُن کی تباہی اور بربادی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اِسی طرح اگر آسمانی جماعتیں اپنے مادی ذرائع پر انحصار رکھیں جنہیں زمینی جماعتیں اختیار کرتی ہیں تو ان کی تباہی اور بربادی میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن کے ذمہ جو کام لگایا جاتا ہے وہ سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توکّل کے ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اِن دونوں جماعتوں کے نظریے بالکل جُدا گانہ نظر آتے ہیں۔ جہاں آسمانی جماعتوں نے بعض بڑے بڑے کام کیے ہیں وہاں مادی اور زمینی جماعتوں نے بھی بعض

بڑے بڑے کام سرانجام دیئے ہیں۔لیکن اِن دونوں کا طریقِ کار اتنا متبائن اور اِتنا مختلف ہے کہ اِن میں کسی قسم کی مشابہت پائی نہیں جاتی۔ اگر دنیا میں ایک ہی نبی آیا ہوتا تو اُس کے ساتھ اور اُس کی جماعت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سلوک کو دیکھ کر ہم اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا معاملہ اُس کے ساتھ استثنائی تھا لیکن جب دنیا میں بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار نبی آئے۔ بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار کا سوال جانے دو اُنہی انبیاء کے حالات کا مطالعہ کرو جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے جو ایک یا دو نہیں بلکہ ایک درجن سے بھی زیادہ ہیں اور دو درجن کے قریب ہیں۔ پھر ان کے علاوہ بعض ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں آتا۔مگر قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ہم مجبور ہیں کہ ان کے حالات اور کام کو دیکھتے ہوئے اُنہیں نبی سمجھیں۔ جیسے ہندوستان میں رامؑ اور کرشنؑ ، ایران میں زرتشتؑ ، چین میں کنفیوشسؑ ،عرب میں خالد1 ، یونان میں سقراط۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگیوں کے حالات قرآن کریم کے بتائے ہوئے نبیوں کے حالات کے مطابق ہیں۔اس لیے ہم قرآن کریم کے اصول کے پیشِ نظر ان کو نبی ماننے کے لیے مجبور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کو خدا کی طرف توجہ دلائی اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچایا۔ دنیا نے ان کے ساتھ دشمنی کی، انہیں ایذائیں پہنچائیں اور انہیں دکھ دیئے مگر انہوں نے خدا کی خاطر یہ سب تکلیفیں برداشت کیں۔ پس ایک یا دو نبیوں کا سوال نہیں بلکہ متعدد انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کے واقعات تاریخی طور پر ہم تک پہنچے ہیں۔ان کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ ان سب کو یکساں نبی مانیں کیونکہ ان سب کی زندگیاں اور ان کے متبعین کی زندگیاں بتاتی ہیں کہ وہ لوگ مادی ذرائع سے الگ ہو کر کام کرتے رہے۔

مَیں جماعت کو متواتر توجہ دلا رہا ہوں اور آج بھی اِسی امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ انبیاء کی جماعتیں مادی ذرائع سے نہیں بلکہ تائیدِ الٰہی اور توکّل باِللہ سے کامیاب ہوا کرتی ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت جس زمانہ اور جن حالات میں سے گزر رہی ہے اِس سے پیشتر کسی زمانہ میں بھی اِتنا غلبہ مادیت کا نہیں ہوا تھا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت مادیت سے بچنے کے لیے پورا زور لگائے اور کوشش کرے کہ وہ مادیت کے اثرات سے بچی رہے۔ہم سے پہلی جماعتوں کو بھی مادیت کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر ہمارے زمانہ میں مادیت کو جو غلبہ حاصل ہے اس کی مثال پہلے زمانوں میں نہیں

مل سکتی۔ اِس لیے ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو مادیت کے اثرات سے کلی طور پر محفوظ کرلیا تو خدا تعالیٰ ہمیں اُن جماعتوں کی نسبت ثواب بھی زیادہ دے گا۔ یہ دو باتیں تو مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر ہمارا کام بہت زیادہ مشکل ہے اور اگر ہم اس کام کو کرلیں جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے تو بلاشُبہ ہمیں ثواب بھی پہلی جماعتوں سے زیادہ ملے گا۔ کیونکہ ان کو اتنی قربانیاں نہیں کرنی پڑی تھیں جتنی کہ ہمیں کرنی پڑیں گی۔ لیکن مَیں اِس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ ہم اُن طریقوں کو استعمال نہ کریں جن کو پہلی جماعتوں نے استعمال کیا تھا اور ہم کامیاب ہوجائیں۔

خدا تعالیٰ نے بچہ کی پیدائش کے لیے مرد اور عورت کا باہمی اتحاد مقرر فرمایا ہے۔ اگر ایک مومن جو کھاتا پیتا اور خوشحال ہو اِس نیت کے ساتھ شادی کرے کہ خدا تعالیٰ نے شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کا حکم دے رکھا ہے تو وہ ثواب کا ضرور مستحق ہے۔ لیکن اگر ایک غریب آدمی خدا تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے اِس ارادہ میں ناکام رہتا ہے مگر پھر وہ بہت زیادہ کوشش کرکے خدا تعالیٰ کے حکم پورا کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ اُس امیر کی نسبت بہت زیادہ ثواب کا مستحق ہے۔ لیکن بچے پیدا کرنے کا جو قانون خدا تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے وہ کبھی نہیں بدل سکتا۔ بچے پیدا ہونے کے لیے عورت اور مرد کا باہمی اتحاد مقرر ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص چونکہ غریب ہے اِس لیے اُس کے لیے درختوں سے بچے پیدا ہونے شروع ہوجائیں تو یہ ناممکن بات ہے۔ یہ دونوں باتیں تو صحیح ہیں کہ اُس امیر نے بھی خدا تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے شادی کی اور اِس غریب نے بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے شادی کی گو مشیّتِ الٰہی کے ماتحت اِس کی شادی دیر میں ہوئی لیکن چونکہ وہ نیت یہی رکھتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کو پورا کرے اِس لیے وہ امیر کی نسبت زیادہ ثواب کا حقدار ہوگا کیونکہ اِسے اِس حکم کے پورا کرنے کے لیے امیر سے بہت زیادہ کوشش اور قربانی کرنی پڑی۔ یہاں تک تو صحیح ہے۔ لیکن بچے پیدا کرنے کا قانون نہیں بدل سکتا۔ اِسی طرح جو قربانی پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کرنی پڑی ہے اُس سے کہیں زیادہ قربانی ہمیں کرنی پڑے گی۔ اور ہم میں سے جو لوگ اپنے آپ کو مادیت سے محفوظ رکھیں گے اُن کو ثواب بھی پہلوں کی نسبت زیادہ ملے گا۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ کسی نہ کسی حد تک ہم مغربیت کی تقلید ضرور کریں گے تو یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔ جس طرح ایک غریب کے گھر میں باوجود اِس کے کہ اُسے خدا کے

حکم کو پورا کرنے کے لیے زیادہ کوشش اور قربانی کرنی پڑے گی درختوں سے بچے پیدا نہیں ہوتے اِسی طرح جب تک ہم بھی اُن ذرائع سے کام نہ لیں گے جو خدا تعالیٰ نے آسمانی جماعتوں کی کامیابی کے لیے ضروری قرار دے رکھے ہیں ہمیں بھی کبھی کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت بھی کسی حد تک مغربی تأثرات سے متأثر ہے۔ ساتھ ہی مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا خاندان بھی مغربی تأثرات سے محفوظ نہیں ہے۔ دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہوتا ہے کہ اپنوں کو سمجھایا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ[2] پہلے اپنے اقرباء کو سمجھاؤ۔ آگے ماننا یا نہ ماننا اُن کا کام ہے۔ انگریزی میں بھی مثل مشہور ہے کہ Charity begins at home یعنی صدقہ و خیرات پہلے گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اِسی طرح وعظ و نصیحت بھی گھر سے ہی شروع ہونا چاہیے۔ اگر اقرباء مان جائیں تو بہتر ورنہ اُن کے نہ ماننے کی صورت میں سمجھانے والا بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بھی نہیں مانا تھا اور بہت سے دوسرے انبیاء کی اولادوں یا اُن کے اقرباء میں بھی اِس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے بھی کوئی نہ مانے اور حضرت نوحؑ کی اولاد بننا چاہے تو اُس کی مرضی۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اپنے خاندان کے بعض نوجوانوں کے اندر بھی دین کی خاطر وہ رغبت اور شوق نہیں پایا جاتا جس کا اُن کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔ ہمیں یہ نظر آ رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسا پیغام لے کر آئے تھے جسے ہم نے ساری دنیا تک پہنچانا ہے اور ایسے مخالف حالات میں پہنچانا ہے جو پہلے کسی اَور جماعت کو پیش نہیں آئے۔ اِس لیے ظاہر ہے کہ یہ کام بہت سے آدمی بھی آسانی کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ بہت زیادہ آدمیوں کو بھی بہت زیادہ قربانیاں کرنا پڑیں گے۔ یہ ایک چھوٹا سا اور سیدھا سادھا مسئلہ ہے اس میں کوئی مشکل لاینحل عُقدہ نہیں کہ اڑھائی ارب دنیا کی ہدایت کے لیے اور اس اڑھائی ارب کی ہدایت کے لیے جو مادیات سے بالکل مغلوب ہو چکی ہے بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے۔

اِن حالات میں جبکہ اس وقت بہت زیادہ تعداد میں مبلغین کی ضرورت ہے سب سے مقدم فرض قربانی کا خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ پر عائد ہوتا ہے لیکن ہمارے خاندان کی جو نئی پَود نکل رہی ہے

اُن میں سے کتنے ہیں جو اپنے آپ کو دین کے لیے پیش کرنے کو تیار ہیں؟ ان میں سے کتنے ہیں جن کی زندگیاں دوسرے کی زندگیوں سے متمیز اور متبائن نظر آتی ہیں؟ اور ان میں سے کتنے ہیں جن کی کیفیت ایک مجنون مبلغ کی سی ہے؟ ان میں سے بعض کو جب مَیں کوئی نصیحت کرتا ہوں تو اُن کے بڑے اُن کی تائید میں ہو کر کہتے ہیں کہ دین کا کام تو کریں مگر کھائیں گے کہاں سے؟ یہ سوال دنیوی انجمنوں اور دنیوی اداروں کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے کیونکہ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ کوئی دنیوی انجمن قائم نہیں رہ سکتی جب تک وہ دنیاوی قوانین کے مطابق نہ چلے، اور کوئی ادارہ نہیں چل سکتا جب تک وہ دنیوی قوانین کو نہ اپنالے اور کوئی حکومت نہیں چل سکتی جب تک وہ اپنی رعایا کے خورونوش کا انتظام نہ کرے۔ اگر کوئی ادارہ رائج الوقت دنیوی قوانین کے خلاف قدم اٹھائے گا تو وہ ناکام رہے گا۔ اگر کوئی انجمن دنیوی ذرائع کو ترک کر دے گی تو وہ قائم نہ رہ سکے گی اور اگر کوئی حکومت اپنی رعایا کا خیال نہ رکھے گی تو وہ دیر پا نہ ہوگی۔ لیکن مذہبی سلسلوں میں اِس قسم کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سکول یا کالج کے ہیڈ ماسٹر یا پروفیسر تو نہ تھے کہ آپؑ کے ادارہ یا انجمن کو چلانے کے لیے ہمیں دنیوی قوانین کی اتباع کرنی پڑے۔ بلکہ آپؑ خدا تعالیٰ کے نبی تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں کہ مَیں نے کسی بزرگ کی اولاد کو سات پُشتوں تک فاقوں مرتے نہیں دیکھا۔ پس اگر سات پُشتوں تک بزرگوں کی اولاد کا خدا تعالیٰ پر حق ہوتا ہے کہ وہ اسے فاقوں سے نہ مرنے دے تو کیا سات پُشتوں تک بزرگوں کی اولاد پر خدا تعالیٰ کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ اُن پر یقیناً دوسروں کی نسبت زیادہ حق ہوتا ہے اور اُن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ کم از کم سات پُشتوں تک مبلغ بن کر دین کی خدمت کرتے رہیں۔ پھر یہ کہنا کہ اگر وہ دین کی خدمت کریں تو کھائیں گے کہاں سے؟ کیا معنے رکھتا ہے۔ مَیں کہوں گا وہ کھائیں گے اُسی باورچی خانہ سے جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے، وہ کھائیں گے اُسی باورچی خانہ سے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کھاتے تھے۔ پھر دُور کیوں جاتے ہو۔ وہ کھائیں گے اُسی باورچی خانہ سے جس سے مَیں کھا رہا ہوں۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک گھوڑی خرید کر دی تھی۔ درحقیقت وہ خرید تو نہ کی گئی تھی بلکہ تحفۃً بھیجی گئی تھی۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ مَیں

نے لڑکوں کو سائیکل پر سواری کرتے دیکھا تو میرے دل میں بھی سائیکل کی سواری کا شوق پیدا ہوا۔ مَیں نے اِس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں کیا۔ آپؑ نے فرمایا مجھے سائیکل کی سواری تو پسند نہیں مَیں تو گھوڑے کی سواری کو مردانہ سواری سمجھتا ہوں۔ مَیں نے کہا اچھا آپ مجھے گھوڑا ہی لے دیں۔ آپؑ نے فرمایا پھر مجھے گھوڑا بھی وہ پسند ہے جو بہت مضبوط اور طاقتور ہو۔ اِس سے غالباً آپؑ کا منشا یہ تھا کہ مَیں اچھا سوار بن جاؤں گا۔ آپؑ نے کپورتھلہ والے عبدالمجید خان صاحب کو لکھا کہ ایک اچھا گھوڑا خرید کر بھجوادیں۔ خان صاحب کو اِس لیے لکھا کہ اُن کے والد صاحب ریاست کے اصطبل کے انچارج تھے اور اُن کا خاندان گھوڑوں سے اچھا واقف تھا۔ انہوں نے ایک گھوڑی خرید کر تحفۃً بھجوادی اور قیمت نہ لی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب فوت ہوئے تو چونکہ آپ کی وفات کا اثر لازمی طور پر ہمارے اخراجات پر بھی پڑنا تھا اِس لیے مَیں نے ارادہ کیا کہ اُس گھوڑی کو فروخت کر دیا جائے تاکہ اُس کے اخراجات کا بوجھ والدہ صاحبہ پر نہ پڑے۔ مجھے ایک دوست نے جن کو میرا یہ ارادہ معلوم ہو گیا تھا اور جو اَب بھی زندہ ہیں کہلا بھیجا کہ یہ گھوڑی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحفہ ہے اسے آپ بالکل فروخت نہ کریں۔ اس وقت میری عمر اُنیس سال کی تھی۔ وہ جگہ جہاں مجھے یہ بات کہی گئی تھی اب تک یاد ہے۔ مَیں اُس وقت ڈھاب کے کنارے تشحیذ الاذہان کے دفتر سے جنوب مشرق کی طرف کھڑا تھا جب مجھے یہ کہا گیا کہ یہ گھوڑی حضرت مسیح موعودؑ کا تحفہ ہے اس لیے اسے فروخت نہ کرنا چاہیے۔ تو بغیر سوچے سمجھے معاً میرے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے کہ بے شک یہ تحفہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے مگر اِس سے بھی بڑا تحفہ حضرت اماں جان ہیں۔ مَیں گھوڑی کی خاطر حضرت اماں جان کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ چنانچہ مَیں نے اُس گھوڑی کو فروخت کر دیا۔

پھر آپ کی وفات کے بعد ہماری زمینوں وغیرہ کا انتظام ہمارے نانا جان مرحوم کیا کرتے تھے۔ وہ کسی بات پر والدہ صاحبہ سے ناراض ہو گئے۔ مَیں مسجد مبارک والے چوک میں کھڑا تھا کہ میر صاحب مرحوم ہماری زمینوں کے حساب کتاب والا رجسٹر ہاتھ میں لیے ہوئے آئے۔ آتے ہی رجسٹر میرے ہاتھ میں دے کر کہنے لگے لو! یہ زمینوں کا انتظام خود سنبھالو۔ میری اس وقت یہ حالت تھی کہ مَیں نہیں جانتا تھا کہ زمین کیا ہوتی ہے اور اُس کا انتظام کس طرح کیا جاتا ہے۔ اِس لیے اُن کا میرے ہاتھ میں رجسٹر دینا ایسا ہی تھا جیسے مجھ پر بجلی گر پڑی ہو۔ مَیں نے رجسٹر اُن کے ہاتھ سے لے لیا

اور چل پڑا۔ مَیں نے خیال کیا کہ مَیں خود اِس رجسٹر کے متعلق کچھ جانتا نہیں اور یہ رجسٹر والدہ صاحبہ کے سپرد کرنا اور کہنا کہ آپ یہ انتظام سنبھالیں یہ بھی نامردی ہے۔ یہی سوچ وبچار کرتا ہوا مَیں تشحیذ الاذہان کے دفتر میں چلا گیا۔ قاضی اکمل صاحب وہاں بیٹھے کام کر رہے تھے۔ مَیں اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ رجسٹر میرے ہاتھ میں تھا مگر مجھے اتنا بھی علم نہ تھا کہ ساری جائیداد کی قیمت ایک پیسہ ہے یا ایک لاکھ روپیہ ہے، اس کی آمد ایک آنہ ہے یا ایک ہزار روپیہ ہے یا دس ہزار روپیہ ہے۔ مَیں گھبراہٹ کی حالت میں بیٹھا ہوا اُس انتظام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے دس یا پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک شخص دفتر میں آیا اور آتے ہی کہنے لگا مَیں نے سنا ہے کہ آپ کو اپنی زمینوں کے انتظام کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ مَیں نے کہا ضرورت تو ہے۔ مگر یہ کہتے وقت مَیں نے خیال کیا کہ ضرورت تو بے شک ہے مگر اِس کی تنخواہ کہاں سے آئے گی؟ چنانچہ مَیں نے پھر اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ضرورت تو ہمیں ایک آدمی کی ضرور ہے مگر اُس کی تنخواہ کا معاملہ ابھی تک زیرِ غور ہے۔ اِس کے متعلق جب تک سوچ نہ لیا جائے کسی آدمی کو مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اُس نے کہا آپ جو چاہیں مجھے دے دیں مجھے منظور ہوگا۔ (مجھے جو چاہیں دے دیں، کے الفاظ سے بچپن کے زمانہ سے چڑ ہے اور اگر سودا خریدتے وقت کوئی دکاندار مجھ سے کہہ دیا کرتا تھا کہ جو چاہیں دے دیں تو مجھے بہت بُرا محسوس ہوا کرتا تھا۔) چنانچہ مَیں نے اُن سے کہا آپ مجھے اپنا مطالبہ بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا دس روپے ماہوار دے دیا کریں۔ مَیں نے خیال کیا کہ اگر ہماری واقعی زمین ہے اور اس کی آمد بھی ہوتی ہے تو دس روپے تو ضرور آ ہی جاتے ہوں گے۔ یہ سوچ کر مَیں نے رجسٹر اُسی وقت اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت خلیفہ اول کی وفات کے بعد جب قرآن کریم کے ترجمہ کا کام ہم نے شروع کرنا چاہا تو سوال پیدا ہوا کہ اس کے اخراجات کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ مَیں الفضل کے دفتر میں بیٹھا ہوا اِس کے متعلق سوچ رہا تھا میرا دل چاہا کہ اِس کارِ خیر میں روپیہ اپنے پاس سے لگانا چاہیے تا کہ ہمیں ثواب ملتا رہے۔ مگر اس کے لیے بھی روپیہ کا سوال تھا مگر مَیں نے ارادہ کر لیا کہ کوشش کروں گا۔ اگر روپیہ مل گیا تو ضرور اپنے پاس سے لگاؤں گا۔ مَیں اِسی فکر میں بیٹا تھا اور اندازہ لگا رہا تھا کہ اِس کام کے لیے ایک ہزار اور پندرہ سو کے درمیان روپیہ درکار ہوگا۔ مگر اُس زمانہ میں ایک ہزار یا پندرہ سو ایسا ہی تھا

جیسے آجکل بیس یا پچیس لاکھ روپیہ۔ اِس لیے روپیہ کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ مَیں ابھی اِس معاملہ کے متعلق غور و فکر کر رہا تھا کہ وہی شخص جو ہماری زمینوں کے منتظم تھے آ گئے۔ مَیں نے اُن سے ذکر کیا کہ مجھے اِتنے روپے کی ضرورت ہے۔ کیا ہماری جائیداد فروخت ہو کر اتنا روپیہ مل سکے گا؟ وہ کہنے لگا آپ فکر نہ کیجیے ابھی انتظام ہو سکتا ہے اور تھوڑی سی زمین فروخت کرنے سے ہو سکتا ہے۔ مَیں نے کہا مجھے تو اس کام میں مشکل یہ نظر آ رہی ہے کہ قادیان میں سب غریب لوگ ہیں اتنا روپیہ کون دے گا؟ اس نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ کام ہو جائے تو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ مَیں خود اسے سرانجام دے لوں گا۔ پھر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ کی زمین اگر فروخت کر دی جائے تو بعض دوستوں کو مکان بنانے کے لیے زمین کی ضرورت ہے۔ مَیں نے اجازت دی اور وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ ابھی مَیں دفتر میں بیٹھا ہوا مضمون جو اُن کے آنے سے پیشتر مَیں نے شروع کیا تھا لکھ رہا تھا کہ وہ واپس آ گئے۔ پندرہ سو روپیہ کی ڈھیری انہوں نے میرے سامنے لگا دی۔ چنانچہ اُس روپیہ سے ہم نے قرآن کریم کے ترجمہ کی ابتدا کی اور پہلا پارہ شائع کرایا گیا۔

اِن واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنی چھوٹی سی چیز سے خود میری زندگی شروع ہوئی۔ اسی ضمن میں مجھے ایک اَور واقعہ یاد آ گیا ہے۔ وہ یہ کہ جب مَیں خلیفہ ہوا تو وہ لوگ جو پیغام صلح سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے میری خلافت کے خلاف ٹریکٹ اور اشتہارات شائع کیے۔ اُس وقت ہمارے خزانہ میں کم و بیش اٹھارہ روپے تھے۔ گویا اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ ہم ان کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں کا جواب شائع کر سکتے۔ اُن دنوں میر ناصر نواب صاحب باہر کے دورہ سے آئے تھے اور دورہ میں اُنہوں نے دارالضعفاء کے لیے چندہ اکٹھا کیا تھا۔ مَیں ایک دن سیر کر کے باہر سے آ رہا تھا انہوں نے پانچ سو کی ایک پوٹلی مجھے دی کہ اِس وقت اشتہاروں کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اِس سے خرچ چلائیں۔ جب روپیہ آ جائے تو واپس کر دیں۔ یہ حالات بتاتے ہیں کہ ہم نے کتنی چھوٹی ابتدا سے کام شروع کیا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے 1944ء میں مَیں نے چالیس ہزار چندہ دیا تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا؟ وہ خدا تعالیٰ نے ہی دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے خلافت کا کام میرے سپرد کیا تو مَیں نے یہ نہ پوچھا تھا کہ مَیں کھاؤں گا کہاں سے؟ بلکہ پوچھنا تو درکنار میرے واہمہ میں بھی یہ سوال نہ تھا کیونکہ مَیں جانتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ جس نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے وہی میرے لیے کھانے کا بھی انتظام کرے گا۔

اور ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ رکھتا تھا کہ اگر وہ مجھے نہیں کھلائے گا تو مجھے یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ اے خدا! پہلے میرے لیے کھانے کا انتظام فرما اُس کے بعد مَیں اِس کام کو سنبھالوں گا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی بارش مجھ پر کی تو مَیں نے یہ نتیجہ نہ نکالا کہ یہ میرے کسی کام کا بدلہ مجھے دیا جا رہا ہے بلکہ مَیں نے کہا اے خدا! یہ سب تیرے فضل و کرم سے ہو رہا ہے۔ تُو نے ہی مجھے کام کرنے کی توفیق دی ہے اور تُو نے ہی ہر قسم کے رزق سے مالا مال کیا ہے۔ تو نے مجھے سب کچھ دیا ہے اور کسی کا ممنونِ احسان بنا کر نہیں دیا۔ یوں تو اپنی جماعت سے دنیا کے ہر کام کے متعلق مَیں جو جو کہنا چاہوں کہہ سکتا ہوں مگر مالی معاملہ میں مَیں نے اپنے اختیار سے کبھی کام نہیں لیا۔ اور میں اِس میں اِس قدر حسّاس ہوں کہ ہر وقت آزاد کمیشن کے سامنے اپنا حساب رکھنے کو تیار ہوں۔

پس یہ سوال کہ اگر ہمارے خاندان کے نوجوان خدمتِ دین کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟ میرے نزدیک اِس سے زیادہ مشرکانہ اور اس سے زیادہ بے ایمانی کا سوال اَور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ واقعی خدا تعالیٰ کا کام کریں گے تو خدا تعالیٰ نَعُوْذُ بِاللّٰہ اتنا غدار نہیں کہ وہ اُنھیں بھُوکا مار دے گا۔ کیا خدا تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر اب تک کسی کے ساتھ دھوکا بازی کی ہے جو وہ اِن کے ساتھ کرے گا؟ پھر یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ جن لوگوں کے دادے ہمیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیا کرتے تھے اب اُن کے احمدی ہونے پر ہم اُن کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین کی خدمت کرو اور وہ کرتے ہیں لیکن خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان دکانداریوں اور دوسرے دُنیوی کاموں کے پیچھے پھر رہا ہے۔ مَیں کہتا ہوں جانے دو اِس توکّل کو بھی کہ خدا تعالیٰ خدمتِ دین کرنے سے اُنہیں بھُوکا نہیں مارے گا۔ اور اگر انہوں نے خدا کی راہ میں مرنا ہے تو اِس سے زیادہ سعادت اور خوش بختی اَور کیا ہوسکتی ہے۔ پھر اِس اعلیٰ قسم کے توکّل کو بھی جانے دو۔ اِس سے ذرا ادنیٰ قسم کے توکل کو لے لو۔ ہمارے محکموں میں بعض ایسے کارکنان بھی ہیں جنہیں بیس بیس، تیس تیس اور چالیس چالیس روپے مل رہے ہیں اور وہ خوشی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ جس روٹی سے اُن کا پیٹ بھر سکتا ہے اِن کا کیوں نہیں بھر سکتا؟ جس کپڑے سے وہ اپنے تن کو ڈھانک سکتے ہیں اُس کپڑے سے اِن کا تن کیوں نہیں ڈھانکا جا سکتا؟ جن مکانوں میں وہ رہ سکتے ہیں اُن مکانوں میں یہ کیوں نہیں رہ سکتے؟ کیا بیس بیس اور تیس تیس روپیہ میں گزارہ کرنے والوں پر خدا تعالیٰ کا حق زیادہ ہے

اور اِن پر کم ہے یا اِس کے برعکس اُن پر زیادہ ہے اور اِن پر کم ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی نسبت خدا تعالیٰ کا حق اِن پر زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے فرماتا ہے اگر تم میرے راستہ پر چلتے ہوئے نیکی اور تقوٰی اختیار کرو گے تو دوسروں کی نسبت تم دُہرے ثواب کے مستحق ہو گے لیکن اگر تم نیکی اور تقوٰی اختیار نہیں کرو گے تو دوسروں کے لیے بدنمونہ پیش کرو گے تو تم دوسروں کی نسبت دُہرے عذاب کے مستحق ہو گے۔3 مَیں سمجھتا تھا کہ قادیان سے نکلنے کے بعد اور جماعت پر یہ عظیم الشان ابتلا دیکھنے اور اپنے آپ کو بعض مشکلات اور مصائب میں پانے کے بعد ایسے نوجوانوں کو ہوش آجائے گا۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ روح جو ایسے نوجوانوں کے اندر پیدا ہو جانی چاہیے تھی ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس بات کی ذمہ داری جماعت پر بھی ہے کیونکہ جب جماعت کے لوگ ہمارے خاندان کے اِن نوجوانوں کو دیکھتے ہیں تو نہایت ادب کے ساتھ اِن کو صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں۔ بس یہی صاحبزادہ صاحب کہنے والے لوگ ہی ایسی باتوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

مجھے ایک دوست کا احسان اپنی ساری زندگی میں نہیں بُھول سکتا اور مَیں جب کبھی اُس دوست کی اولاد پر کوئی مشکل پڑی دیکھتا ہوں تو میرے دل میں ٹیس اُٹھتی ہے اور مَیں اُن کی بہبودی کے لیے دعائیں کیا کرتا ہوں۔ اُنہیں کئی ایسے مسائل کا سامنا ہوا جن سے کہ وہ سمجھتے تھے ہم بچ نہیں سکیں گے لیکن خدا تعالیٰ نے میری دعاؤں کے طفیل اُن پر فضل کرتے ہوئے اُنہیں بچا لیا۔ اُن کا مجھ پر احسان یہ ہے کہ 1903ء کی بات ہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی کرم دین والے مقدمہ کی پیروی کے لیے گورداسپور میں مقیم تھے۔ وہ دوست جن کا مَیں ذکر کر رہا ہوں مراد آباد یو پی کے رہنے والے تھے اور فوج میں رسالدار میجر تھے۔ محمد ایوب اُن کا نام تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے کے لیے گورداسپور آئے تھے۔ اُنہوں نے دو باتیں ایسی کیں جو میرے لیے ہدایت کا موجب ہوئیں۔ دلّی میں رواج تھا اور شاید اب بھی ہو کہ بچے باپ کو تم کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ اِسی طرح بیوی خاوند کو تم کہتی ہے۔ لکھنؤ وغیرہ میں آپ کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ ہمارے گھر میں چونکہ دلّی کی اردو بولی جاتی تھی اور گھر میں ہمیشہ تُم تُم کا لفظ سنتے رہنے سے میری عادت بھی تم کہنے کی ہو گئی تھی۔ یوں تو میری عادت تھی کہ مَیں حتی الوسع

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کومخاطب کرنے سے ہمیشہ کتراتا تھالیکن اگرضرورت پڑ بھی جائے اور مجبوراً مخاطب کرنا ہی پڑے تو تم کہہ کرمخاطب کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے اُس دوست کی موجودگی میں آپ سے کوئی بات کرنا پڑی اورمَیں نے تم کا لفظ استعمال کیا۔ یہ لفظ سن کر اُس دوست نے مجھے بازو سے پکڑلیا اور مجلس سے ایک طرف لے گئے اور کہا میرے دل میں آپ کا بڑا ادب ہے لیکن یہ ادب ہی چاہتا ہے کہ آپ کوآپ کی غلطی سے آگاہ کروں۔ اور وہ یہ کہ آپ کوحضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کومخاطب کرتے وقت کبھی بھی تم کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ آپ کے لفظ سے مخاطب کیا کریں ورنہ آپ نے پھر یہ لفظ بولا تومَیں جان لے لوں گا۔ مجھے تو تم کا لفظ استعمال کرتے رہنے کی وجہ سے تم اور آپ میں کوئی فرق محسوس نہ ہوتا تھا بلکہ مَیں آپ کی نسبت تم کے لفظ کوزیادہ پسند کرتا تھا۔ اور حالت یہ تھی آپ کا لفظ بولتے ہوئے مجھے عادت نہ ہونے کے شرم سے پسینہ آجاتا تھا کیونکہ مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کہنا جُرم ہے۔ مگر اُس دوست کے سمجھانے کے بعد مَیں آپ کا لفظ استعمال کرنے لگا اور اُن کی اِس محبت کا اثر اب تک میرے دل میں موجود ہے

دوسری بات اُنہوں نے یہ کی کہ مَیں نے ایک دفعہ لاہور آنے پر یہاں بعض لڑکوں کو نکٹائی لگاتے دیکھا۔ مَیں نے بھی شوق سے ایک نکٹائی خرید کر لگائی۔ پھر وہی دوست مرحوم مجھے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے آج آپ نے نکٹائی پہنی ہے تو ہم کل کنچنیوں کا تماشہ دیکھنے لگ جائیں گے کیونکہ ہم نے تو آپ سے سبق سیکھنا ہے۔ جو قدم آپ اٹھائیں گے ہم بھی آپ کے پیچھے چلیں گے۔ یہ کہہ کر اُنھوں نے مجھ سے نکٹائی مانگی اور مَیں نے اُتار کر اُن کو دے دی۔ پس اُن کی یہ دو نصیحتیں مجھے کبھی نہیں بھُول سکتیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ ایک مخلص متبع کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اگر ہمارے خاندان کا کوئی نوجوان اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا تو صاحبزادہ صاحب، صاحبزادہ صاحب کہہ کر اُس کا دماغ بگاڑنا نہیں چاہیے۔ بلکہ اُس سے کہنا چاہیے کہ آپ ہوتے تو صاحبزادہ ہی تھے مگر اب غلام زادہ سے بھی بدتر معلوم ہو رہے ہیں اِس لیے آپ کو چاہیے کہ اپنی اصلاح کریں۔ اسلام میں نسلی فوقیت ہرگز نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ جاہلیت کے زمانہ میں جو شرفاء تھے اب اُن کی کیا حیثیت ہے؟ آپ نے فرمایا جولوگ جاہلیت میں شرفاء تھے وہ اب بھی شرفاء ہیں بشرطیکہ وہ نیک کام کرتے ہوں۔4 اِسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر اہلِ بیت نیک کام کریں گے اور

تقویٰ اختیار کریں گے تو اُنہیں دوسروں کی نسبت دُہرا ثواب ملے گا اور اگر وہ اِس کے برعکس کریں گے تو اُنہیں دوسروں کی نسبت عذاب بھی دُہرا ملے گا۔

پس مَیں دوستوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کامیابی کا گُر وہی ہوگا جو پہلے انبیاء کی جماعتوں نے اپنایا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقیروں کی طرح گزارہ کیا جائے وہ بھی غلطی پر ہیں۔ اسلام میں اِفراط و تفریط دونوں ناجائز ہیں۔ مومن کا کام یہ ہونا چاہیے کہ جہاں اُسے خدا تعالیٰ رکھنا چاہے وہاں رہے۔ اِس لیے نہ تو مَیں اِفراط کا قائل ہوں نہ تفریط کا۔ اور نہ ہی انبیاء کی جماعتوں میں ان دونوں حالتوں کی کوئی گنجائش ہوتی ہے۔ نہ اسلام نے رہبانیت کی اجازت دی ہے اور نہ ہی تعیّش کی اور خالص دنیاداری کی اجازت دی ہے۔ وہ حد بھی کاٹی گئی ہے اور یہ حد بھی کاٹی گئی ہے۔ اسلام کا رستہ اِن دونوں حدود کے درمیان ہے۔ پس انبیاء کی جماعتوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ درمیانی راستہ اختیار کریں اور دین کے کاموں میں لگے رہیں۔ ہاں اپنے فارغ اوقات میں دوسرے دنیوی کام بھی بے شک کریں مگر دین کے کاموں کو مقدم رکھیں۔ اور دین کا کام کرنے کے بعد اگر وہ کوئی دنیا کا کام کرنا چاہیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے نوجوانوں کو روپیہ میسر آ جائے تو وہ خود دین کے کام کریں اور روپیہ کسی دوسرے آدمی کو دے کر اُسے دکان وغیرہ کھُلوا دیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسا کرنا اسلامی اصول کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ آمد کو خدا کی سمجھیں اور اُسے خدا کے دین اور اُس کے بندوں کی بہبودی کے لیے خرچ کریں۔ اسلامی اصول کے خلاف جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ وہ محض دنیادار بن کر رہ جائیں۔ یوں تو مَیں خود بھی زمیندار ہوں اور زمینداری کا سارا انتظام بھی کرتا ہوں مگر دین کے کام کرنے کے بعد اپنے فارغ اوقات میں کرتا ہوں۔ ایک انسان چودہ یا پندرہ گھنٹے دین کا کام کرنے کے باوجود پاخانہ پیشاب کے لیے روزانہ اپنا وقت فارغ کرسکتا ہے تو دس منٹ زمینداری کے لیے کیوں فارغ نہیں کرسکتا۔ بہرحال مَیں دین کا کام بھی کرتا ہوں اور زمینداری کے کاموں کے لیے بھی تھوڑا بہت وقت نکال لیتا ہوں۔ مگر اپنی زندگی کو محض دنیا کے کاموں میں لگا دینا ہرگز اُس مقام کے شایانِ شان نہیں ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

ابھی اِس مضمون کے کچھ حصے باقی ہیں مگر چونکہ وقت زیادہ ہوگیا ہے اِس لیے سرِ دست اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور بقیہ حصہ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے خطبہ میں بیان کروں گا اِنشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی"۔ (الفضل 13 فروری 1948ء)

---

1 : **خالد بن سنان**: عرب کا نبی ۔ خالد بن سنان کی نبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قرب کا شرف رکھتی ہے۔ خالد بن سنان کو اطلاع دی گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک موقع پر ان کی بیٹی آئی تو آپؐ نے فرمایا "مَرْحَبًا یَا بْنَةَ نَبِیٍّ اَضَاعَهٗ قَوْمُهٗ" (شرح فصوص الحکم لابن عربی الجزء الثانی صفحہ 449-451 مطبوعہ 1416ھ زیرِ عنوان فص حکمة صمدیة فی کلمة خالدیة.....)

2 : الشعراء: 215

3 : يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ○ (الاحزاب: 31، 32)

4 : بخاری کتاب المناقب باب المناقب